

اور وضع قطع کے لحاظ سے منفرد لباس خریدتی ہیں اور یا پھر خود گمراہ بنا لیتی ہیں۔
”یہ تمام لباس میں نے خود ڈیرائنس کیے ہیں اور خالہ کی ایک سیلی نے ہی کر
بیٹے ہیں“ پاسکل نے اس کے کندھے پر سے جھانکتے ہوئے کہا۔
الماری کے اوپر والے خانے میں درجنوں سکارف اور چند خوبصورت زنانہ ہری
پڑے تھے۔

”میرا خیال ہے آج تم یہ بڑا سارا ہیئت پہن لو۔“

”اور اس کے ساتھ کون سال بس؟“ پاسکل نے مخصوصیت سے پوچھا۔

”بس صرف ایک ہیئت!“

پاسکل نے پیچھے سے اس کی کمر میں زور سے الگیاں گھیڑ دیں ”کیا فضول باشی
کرتے ہو۔“

الماری میں کل والا سفید رنگ کا کپڑے سے اٹا ہوا لباس بھی منگا تھا۔ زرد گلبہ
مر جھایا ہوا پھول ابھی تک کالر پر لگا تھا۔

”بڑے بڑے کالروں والا یہ ہلکا زرد لباس کیسا رہے گا؟“ سنان نے ایک بیگر باہر
نکال کر پاسکل کو دکھایا۔

”بالکل صحیک رہے گا“ اس نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی۔

”— اور اس کے اوپر وہ سرخ کوٹ پہن لو۔“

”سرخ کوٹ؟“

”ہاں ہاں وہی سرخ کوٹ جو تم نے اس شب سینیر پر پہن رکھا تھا!“

”وہ سرخ کوٹ تو مجھے بھی بے حد پسند ہے۔ میں اسے اتنی کثرت سے پہنچی ہوں
کہ میری کئی سیلیاں یہ سمجھتی ہیں کہ میرے پاس صرف وہی ایک کوٹ ہے حالانکہ
میرے پاس تو انگورہ اون کا۔“

”انگورہ اون والا کوٹ نہیں چاہیے۔ صرف سرخ کوٹ“ سنان نے فیملہ سنادا۔

”پہن لوں گی۔ اگر ہم باہر گئے تو!“

”ہم باہر ضرور جا رہے ہیں کیونکہ میں آج ہر صورت لور کا عجائب گردیکھنا چاہتا ہوں کیونکہ۔“ نان ایک دم رک گیا اور پھر کہنے لگا ”کیونکہ۔۔۔ بھتی اگر ہم نے باہر نہیں جانا تو لباس کے معاملے میں اتنی لمبی چوڑی جانچ پڑتاں کس لیے ہو رہی تھی؟۔۔۔ ایک اچھا لباس تو صرف اس لیے پہنا جاتا ہے کہ انسان باہر جائے اور دوسرے لوگ۔۔۔“

”ایک اچھا لباس صرف اس لیے پہنا جاتا ہے کہ انسان اسے پہن کر اچھا محسوس کرے۔۔۔ اچھا لگے۔۔۔ کسی دوسرے انسان کو۔۔۔ ضروری نہیں کہ باہر جا کر اس کی نمائش ہی کی جائے۔“ پاسکل نے نان سے زرد لباس والا ہنگر لیا اور ساتھ والے کمرے میں چلی گئی۔

نان کتابوں کے شیفٹ کے پاس جا کھرا ہوا۔۔۔ یوں لگتا تھا جیسے وہیں کا مجسمہ اس شیفٹ پر رکھنے کے لیے ہی بنا�ا گیا ہو۔۔۔ بے حد خوبصورت لگ رہا تھا۔۔۔ اس نے ایک نظر کتابوں پر ڈالی اور پھر جھک کر شیفٹ کے نیچے جھانا کا۔۔۔ میساکھیاں وہاں نہیں تھیں۔۔۔ ”کیا دیکھ رہے ہو؟“ اس لمحے پاسکل کرے میں داخل ہوئی۔۔۔ وہ زرد لباس پہنے ہوئے تھی اور اس کے بالوں میں بالکل نئھے منے پہلوں کی طرح ایک زرد رنگ کا رین بھی بندھا ہوا تھا۔

”کچھ نہیں۔۔۔“ نان ایک دم سیدھا کھرا ہو گیا۔

”اگر تمہیں میساکھیوں کی تلاش ہے تو وہ وہاں نہیں ہیں۔۔۔ میں نے انہیں قاتلوں کے سورہ میں پھینک دیا ہے۔۔۔“

نان خاموش کھرا رہا۔

”کیسی لگتی ہوں؟“ وہ پہلوں کے بل گھوم گئی۔۔۔ اس کا زرد لباس لختہ بھر کے لیے کر تک اٹھ آیا اور پھر آہنگی سے گر کر اس کی تانگوں کے گرد لپٹ گیا۔

”تم کبھی بھی بری نہیں لگیں!“

”اور ہاں۔۔۔“ وہ چلتی ہوئی الماری کے پاس آگئی اور سفید لباس پر لگا ہوا زرد

گلاب اتمد کر اپنے کالر پر لگایا "اس زرد لباس کے ساتھ مجھ کرتا ہے۔"

"پھر کیا ہوا؟ اس کی خوبیو تو ابھی تک برقرار ہے نا؟" اس نے سر جھکایا اور پھول کو سوچنے کی بجائے اس پر اپنے لب جمادیے "اور یہ خوبیو ہیشہ رہے گی۔" نان کتنا کتنا رہ گیا کہ پاسکل میں تمیں کل ایک اور پھول لا دوں گا۔

لیکن اسے تو آج رات کی گاڑی سے ہمپانیہ چلے جانا تھا۔

پاسکل نے سراخا کر بڑے پیار سے پھول کی بکھری ہوئی پتوں کو درست کیا اور پھر ڈرنگ نیل کے سامنے بیٹھ کر لپ سٹک لگانے لگی۔

"بے حد بہلی لپ سٹک لگا رہی ہوں تاکہ تمہاری سفید ٹائی پر اس کے نشان نہ پڑ جائیں" اس نے مژکر نان کی طرف دیکھا۔ پاسکل کی آنکھوں میں شرارت ناج رہی تھی۔

نان کا دل اسے ملامت کرنے لگا۔ وہ اپنے آپ کو مجرم محسوس کر رہا تھا۔ اس نہتی کھیلتی اور زندگی سے بھرپور لڑکی کو یوں چھوڑ کر چلے جانا جرم ہی تو تھا۔ اس نے سر جھکا لیا۔

"منہ بنائے کیوں کمرے ہو؟" پاسکل میک اپ سے قارغ ہو کر اس کے پاس چل آئی۔

"کون منہ بنائے کمرا ہے؟" نان نے مسکرانے کی کوشش کی اور اپنے پیچھے مژکر ایسے دیکھا جیسے پاسکل نے اس کے سینے پر انگلی رکھ دی اور پھر اس کی نظریں پنک کے ساتھ دیوار پر اٹھ گئیں "جمکے بھی پہن لوں؟"

"ہاں ضرور"

پاسکل نے فوراً جوتے اتارے اور پنک پر چڑھ کر تصویریوں کے اوپر لکھنے ہوئے جمکے اتار لیے۔ نان نے ہاتھ آگے کیا اور وہ سارا لے کر نیچے اتر آئی۔

"آج بھی تم ہی پہناؤ" اس نے جمکے نان کے آگے کر دیے اور آنکھیں بند کر کے کھڑی ہو گئی۔

سنان نے پا سکل کا یہ روپ دیکھا تو بے حد اداس ہو گیا۔ کتنی مخصوصیت تھی اس کے چہرے پر۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے جھکئے اس کے کانوں میں ڈال دیے۔ پا سکل نے آنکھیں کھول دیں اور دونوں ہتھیلیاں کانوں پر رکھ کر مسکرا دی۔
”جم کے“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”پا سکل چلو باہر چلتے ہیں“ سنان نے منہ پھیر لیا ”میاں میرا بھی گھبرا تا ہے۔“
”تم اس کری پر بیٹھو“ پا سکل نے کھڑکی کے سامنے رکھی کری کی طرف اشارہ کیا۔

”بھی تھوڑی دیر بعد چلے جائیں گے۔ آج جانے کیوں میرا دل باہر جانے کو نہیں چاہ رہا۔“

سنان کری پر بیٹھ گیا۔ اس نے پنگ کے ساتھ دیوار کی طرف دیکھا جس پر پا سکل کی پسندیدہ تصاویر بڑی نفاست سے آؤ رہا تھیں۔ رقص کے بے شمار انداز۔ ان میں روی بیلے رہنا اولانووا کی تصویر سب سے نمایاں تھی۔ سفید لباس میں لمبوس پرو قار بیلے رہنا ایک خوبصورت راج نہس کی ماہنہ کھڑی تھی۔ سنان کے ذہن میں ایک مرتبہ پھر پچھلی رات کے خواب کی پرچھائیاں ابھرنے لگیں۔ اس نے تصویر پر سے نظریں ہٹائیں۔ یکدم اسے خیال آیا کہ اس دیوار پر اسی تصویر کے ساتھ اس روز دنیا کا ایک نقشہ بھی تو ڈالا ہوا تھا۔

”پا سکل“ اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔

”کیا ہے سنان؟“ پا سکل اس کے قریب پنگ پر بیٹھ گئی۔

”میں پہلے روز جب تمہارے کمرے میں آیا تھا تو بیلے رہنا کی تصویر کے ساتھ دنیا کا ایک نقشہ بھی آؤ رہا تھا۔“

”میں نے وہ نقشہ جلا دیا ہے۔“

”کیوں سنان؟“ سنان نے جیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

”تم اس روز نقشے پر مجھے اپنے واپسی سفر کا راستہ بتا رہے تھے۔ اس کے بعد میں

جب بھی رات کو اپنے پنگ پر لیتی تو میری نظریں بے اختیار نقشے پر اٹھ جاتیں۔
 غرباطہ، استنبول، تران میرے لیے شرنہ رہے۔ وہ چھوٹے چھوٹے سپولیے بن کر
 مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مجھے ڈس لیں گے۔ آج صبح میں نے نقشے کو دیوار سے
 اتار کر جلا دیا۔ اپنے دشمن کو۔ اسے میرا پاگل پن کہہ لو مگر مجھے وہ نقشہ جلا کر بے
 حد تکسین ہوتی۔ مجھے یوں لگا جیسے میں نے دنیا بھر کے نقشے جلا دیے ہوں اور ان
 کے جلنے سے۔ ان کے جلنے سے سنان تم۔ تم کمیں بھی نہ جاسکو گے۔ نقشے نہ
 ہوں گے تو سیاح سفر کیسے کرے گا؟ راتے کیسے ڈھونڈے گا۔ پیرس سے پرے کچھ
 بھی نہیں۔ تمام راہیں مسدود ہو چکی ہیں۔“

”پاگل میرا خیال ہے کہ اب ہمیں ضرور باہر چلنا چاہیے۔“ سنان کری سے اٹھ
 کھڑا ہوا۔ پاگل کی ان باتوں سے جرم کا احساس تقویت کپڑتا جا رہا تھا۔
 ”باہر؟“ پاگل نے چوک کر کہا۔

”ہاں! کمیں لوور کا عجائب گھر بند نہ ہو جائے اور میں آج۔“

”کل چلے جائیں گے سنان۔“ پاگل نے انجا کی۔

”نہیں۔“ سنان نے تیزی سے کہا۔

”تاراض کیوں ہوتے ہو؟“ پاگل نے دکھ سے کہا۔ ”آج ہی چلے جائیں گے۔“

سان نے جیب سے سکرٹ نکال کر سلگا لیا اور خاموشی سے پینے لگا۔

”ٹھیک ہے آج لوور کا عجائب گھر دیکھیں گے اور پھر کل ہم پیرس سے باہر وار
 سیلز کے مغلات دیکھنے چلیں گے۔ ہوں؟“ پاگل پنگ سے اٹھ بیٹھی۔

”ہاں آج ہم لوور کا عجائب گھر دیکھنے جائیں گے لیکن کل۔۔۔ تم نے خود یہ تو
 کہا تھا میں کل کے بارے میں نہیں سوچا کرتی۔“

”ہاں کہا تھا مگر وہ پرانے زمانوں کی بات ہے۔ تمہارے آئے سے جہاں مجھے
 ڈھیروں خوشیاں ملی ہیں وہاں مجھے میں کل کے بارے میں سوچنے کی حس بھی جاگ اٹھی
 ہے۔ میں اب کل کے بارے میں سوچتا چاہتی ہوں سنان!“

ننان کا جی چاہا کہ وہ اسے ابھی اور اسی وقت اپنی روانگی کے بارے میں ہادے
مگر وہ خاموشی سے سگرٹ پیتا رہا۔

”ننان کیا بات ہے آج تم کھوئے کھوئے سے ہو۔“

”نہیں تو“ ننان نے جلدی سے کہا۔

”تم نے جب سے اس قلیٹ میں قدم رکھا ہے ایک بات بھی اپنے طور پر نہیں
کہی۔ میں ہی بولتی جا رہی ہوں۔“

”بولا نا عورت کا پیدائشی حق ہے بولتی ہوئی عورت کی باتیں سننا مرد کی پیدائشی
بنتی!“ ننان نے زبردستی مکرانے کی کوشش کی۔

”میں اتنی باتونی بھی نہیں ہوں۔“ پاسکل نے مصنوعی ناراضگی کا اظہار کیا اور پھر
یکدم کہنے لگی ”اوہ میں آج بھی اچھی میزبان ثابت نہیں ہوئی تمہیں کافی وغیرہ کا تو
پوچھا ہی نہیں۔ آج کچھ کھا کر آئے تھے یا اس روز کی طرح ناشتہ کیے بغیر ہی منہ اٹھا
کر چلے آئے ہو؟“

”میں ناشتہ کر چکا ہوں۔“

”تو پھر صرف کافی بنا لاتی ہوں“ ننان کے کچھ کہنے سے قبل ہی پاسکل کرے سے
باہر جا چکی تھی۔

آج کھڑکی سے باہر سورج نہیں چک رہا تھا۔ بادل چھا جانے سے یوں گمان ہوتا
تھا جیسے شام ہو رہی ہو۔ فٹ پاتھ پالک سنان پڑا تھا اور ہوا کی غیر موجودگی میں شاہ
بلوط کے پتے بالکل ساکن تھے۔ پتوں کا رنگ گمرے سبز سے بھورے رنگ میں بدل
رہا تھا۔ خزان کی آمد آمد تھی۔

تمہوری دیر میں پاسکل کافی بنا کر لے آئی۔ ٹرے میں صرف ایک ہی پیالی تھی۔

ننان نے والیہ نظرؤں سے پاسکل کی جانب دیکھا۔

”بڑی مشکل سے ایک پیالی کے لیے کافی ملی ہے مجھے معلوم نہ تھا کہ کافی کا ذہب
خالی ہو چکا ہے۔— مجھے یاد دلانا آج بازار سے اور لے آئیں گے۔— کل کے لیے!“

اس نے پیالی سنان کے آگے رکھ دی۔

”تم کیوں نہیں پی لیتیں میں تو ابھی ابھی ناشتا کر کے آ رہا ہوں!“

”میں صرف ایک گھونٹ لوں گی“ پاسکل نے پیالی لیوں سے لگا کر ایک چکلی لی اور سنان کے آگے کھسکا دی ”باقی تم پی لو۔۔۔“

کافی ختم کرنے کے بعد سنان کری سے انھوں کھرا ہوا ”پاسکل۔۔۔“

”ہاں ہاں چلتے ہیں“ اس نے بے دلی سے کما اور پھر الماری میں سے سرخ کوٹ نکال کر اپنے بازو پر ڈال لیا ”پلیز ذرا کھڑکی کے آگے پرده کر دو“

سنان نے پردے کھینچ دیئے — شیافت پر پڑا ونش کا مجسمہ اندر میرے میں ڈوب

گیا۔

○○○

وہ دونوں قلیٹ سے باہر لگئے تو آسمان پر بادل گئے ہو چکے تھے اور اب ہوا بھی
ہل رہی تھی۔ پاسکل نے سخن کوٹ پہن لیا۔
”تم آج اپنی برساتی کیوں نہیں لائے؟“ اس نے نان کا بازو تھام کر چلنا شروع
کر دیا۔

”آج سچ تو سورج پوری آب و تاب سے چک رہا تھا۔ میں نے سوچا اتنے
خنگوار موسم میں بارش تو ہو نہیں سکتی خواہ برساتی ساتھ لیے پھر نے سے
ناکہ— اور اب چمکتی دھوپ کی جگہ ہر سو تاریکی چھارہ ہے“
”ہاں پیرس میں موسم پل بھر بدل جاتا ہے۔“

نیولی کے پل کے پاس آ کر انہوں نے ایک ٹیکسی روک لی۔

”لکنور کے چوک میں چلو“ پاسکل نے ڈرائیور سے فراںسی میں کہا۔

”نہیں—“ نان کرنے لگا ”اے کوکہ ہمیں فتح کی محراب کے پاس اتار دے
دہل کسی ریستوران میں دوپہر کا کھانا کھائیں گے اور پھر شانز پر سیر کرتے ہوئے لوور
ٹلے جائیں گے۔“

”آرک ڈی ٹرامف“ پاسکل نے ڈرائیور کو ہدایت کی۔ اس نے جواب میں
کندھ سکریٹرے اور ٹیکسی شارٹ کر دی۔

آج فتح کی محراب کے گول چکر کے گرد کاروں کی تعداد بھی کم تھی اور شانز کے
نک پاتھ پر بھی زیادہ رونق نہ تھی۔ شاید یہ خنکی کا اثر تھا۔ فرانسیسی لوگوں کا موڑ موسم
پر مختصر ہوتا ہے۔ چمکتی دھوپ میں تو وہ خوش مزاج ہو جاتے ہیں اور جس وقت

سورج کی روشنی نظر نہ آئے تو ان کے چہرے لٹک جاتے ہیں۔

ٹیکسی ڈرائیور نے انہیں محاب کے ادھر ایونو فاک کے آخر میں اتار دیا۔ فر پاٹھ کے ساتھ ہی ایک چینی ریستوران کا بورڈ آؤبیناں تھا۔ نیم تاریکی میں روشن چینی حروف بے حد بھلے لگ رہے تھے۔

”کیوں نہ یہیں کھانا کھالیا جائے؟“ سنان نے تجویز پیش کی ”میں تو چاولوں کے لیے ترس گیا ہوں۔ چینی ریستوران میں چاول بھی تو ملتے ہیں۔“

”تیر ریستوران چینی نہیں بلکہ ویٹ نامی ہے“ پاسکل نے بتایا۔

”ایک ہی بات ہے چھپے ناک والی تمام قومیں چاول کھاتی ہیں۔“ سنان نے پاسکل کا ہاتھ پکڑا اور وہ دونوں ریستوران کا دروازہ کھول کر اندر چلے گئے۔

ریستوران کا ماحول سراسر چینی یا ویٹ نامی تھا۔ ایک چھوٹے سے نیم تاریک کرے میں بائس کی بنی ہوئی چند کریساں اور پستہ تد میزیں نفاست سے بھی تھیں۔ چھت سے ایک منقش لاثین ناک رہی تھی جس سے چھوٹے والی ہلکی سرخ روشنی کی وجہ سے کرو بے حد پر اسرار لگ رہا تھا۔ ریستوران بالکل غالی تھا۔ جب ان کی آنکھیں اس نیم تاریکی کی عادی ہو گئیں تو وہ دونوں ایک کونے میں بیٹھ گئے۔

”یہاں تو ویٹ بھی نظر نہیں آ رہا“ سنان نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

”ابھی صرف ایک بجا ہے اور فراشیں اپنے دوپہر کے کھانے کا آغاز دو اڑھائی بجے سے پہلے نہیں کرتے۔ شاید اسی لیے ویٹ کہیں اندر بیٹھا آرام کر رہا ہو گا“ یہ کہتے ہوئے پاسکل نے میز پر پڑی ایش ٹرے اٹھا کر میز پر کھنکھائی۔ تھوڑی دیر بعد ایک تاریک کونے میں ایک نہایت خوش مکمل چھپی ناک والی لڑکی ہاتھ میں میتو لیے برآمد ہوئی۔ اس نے چست قسم کا ریشمی لباس زیب تن کیا ہوا تھا جس پر اڑھوں اور رنگ برلنگے چھولوں کی تصویریں کاڑھی ہوئی تھیں۔ لباس کی کاٹ دونوں طرف سے کولبوں تک چلی گئی تھی۔ اس نے قریب آ کر میتو میز پر رکھ دیا اور مسکرانے لگی۔ اس کے اگلے دو دانتوں پر سونے کی پتڑی چڑھی ہوئی تھی۔

”پاکل تم آرڈر دے دو۔۔۔ مجھے نہ توفیت نامی میں شدھ بدھ ہے اور فرانسیسی
البھی کورا ہوں“

پاکل نے مینو کا بفور مطالعہ کیا اور پھر ویٹر کو آرڈر لکھوا دیا۔ وہ اپنی طلاقی
تراہٹ کی سحری کرنیں بھیغیرتی واپس اسی تاریک کونے میں غائب ہو گئی۔
میں نے تمہارے لیے بھورے چاول اور سویا بننے تیل میں پکی ہوئی مچھلی منگائی

ہے۔۔۔

”اور اپنے لیے“

”مجھے زیادہ بھوک نہیں۔۔۔“ پاکل نے اپنی کہنیاں میز پر رکھ دیں ”میں
نمایری ڈش میں سے تھوڑا سا چکھ لوں گی۔“

سان کے ذہن پر ایک بوجھ ساتھا۔ وہ یہ فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ پاکل کو اپنی روائی
کے بارے میں کب اور کیسے بتائے۔

”کوئی بات کو سنان“ پاکل نے اس کا بازو چھوتے ہوئے کہا ”کہیں تم میری
رفاقت سے آتا تو نہیں گئے؟“

”نہیں ایسا تو نہیں“ سان نے اس کا ہاتھ تھام لیا ”ایسا بالکل نہیں“

”تو پھر آج تم اتنے بچھے بچھے سے کیوں ہو؟“

”کوئی خاص بات تو نہیں۔۔۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔۔۔“

”لودر کا عجائب گھر دیکھنے کے بعد ہم کہاں جائیں گے؟“

”جہاں تم چاہو!“

”دریائے سین کے کنارے۔۔۔“ پاکل نے خوش ہو کر کہا ”جہاں میں کئی
ملدیاں پیش ہر شام اکیلی گھوما کرتی تھی۔۔۔ کیسا نوڑؤیم کے سائے میں اسی نفع پر
ٹھیک گے لیکن آج میں نوڑؤیم کے کبڑے کے بارے میں باشیں نہیں کروں گی۔ وہ
”لا تو بیت چکا۔۔۔ تمہارے آئے سے۔۔۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔ ٹھیک ہے“ سان نے جلدی سے کہا۔۔۔

اتی دیر میں وہیں کھانا لے آئی۔

کھانے سے قارغ ہو کر جب وہ باہر نکلے تو ایونیو فاک کے درخت صاف فیضان پانی میں نہائے کھڑے تھے۔ فٹ پاٹھ بھی دھل کر صاف ہو چکا تھا۔ باہل چھٹ پچھے اور دھوپ کی چک سے آنکھیں چدھیائی جاتی تھیں۔

”بیوس کے موسم کا تغیر“ پاسکل نہ دی اور اس کا بازو تعام لیا ”یہاں اکتوبر ایسا ہوتا ہے۔ صبح تیز دھوپ پھر گھنے بادل اور پھر یکنخت تیز بارش کے بعد مطلع صاف ہو جاتا ہے۔ شکر ہے ہم بارش کے دوران میں ریستوران میں بیٹھے تھے ورنہ برماتی کے بغیر تم بالکل بھیک جاتے۔“

وہ گول چکر پار کر کے فتح کی محراب کے پاس آگئے۔ محراب کے عین نیچے ایک غیر معروف سپاہی کی قبر پر ابدی شعلہ روشن تھا۔ وطن کی خاطر جان دینے والے ان گھنٹ سپاہیوں کو اہل فرانس کا روشن اور ابدی خراج تحسین۔

”نان لفت کے ذریعے محراب کی چھٹ پر چلتے ہیں۔“ وہاں سے پورا بیوس نظر آتا ہے ”پاسکل نے تجویز پیش کی۔

”ٹھیک ہے“ نان نے سرہلا دیا۔

”آج تو تم میری ہربات مان رہے ہو!“ پاسکل نے اس کو بازو سے کڈ کر بخوبی ہوئے کہا۔

”ہاں آج۔“ نان نے اداں ہو کر کہا۔ اس نے نکت کی کھڑکی سے ”د لکخ“ خریدے اور چھٹ تک جانے والی لفت میں سوار ہو گئے۔

محراب نان کے اندازے سے کہیں زیادہ بلند نکلی۔ چھٹ پر تو ایک وسیع میدان کا گمان ہو رہا تھا۔ اس نے چار دیواری کو مضبوطی سے تھاما اور نیچے جھانکا۔ محراب کے سینے میں سے نکتی ہوئی متعدد سڑکوں پر ریتتی ہوئی کاریں سکھلونوں کی مانند لگ رہی تھیں داہیں ہاتھ پر گمارتوں سے پرے آتھل ٹاور کا زنگ آلوہ پنج بر آسمان سے باشنا کر رہا تھا۔ سامنے شانزے لیزے کے آخر میں کنکور دچوک کے مجھتے اور یادگاریں کر رہا تھا۔

امانے کھڑی تھیں۔ ان سے پرے لودر کی عمارت دکھائی دے رہی تھی۔ اور پھر
بائیں ہاتھ پر پیرس کے قدیم مکانوں کے گھنے جنگل میں سیکرے کر کے سفید گنبد چمک
رہے تھے۔

”اہل پیرس کو اپنے شرپ بجا طور پر فخر ہے“ اس نے مژکر پاسکل سے کہا۔
لیکن پاسکل وہاں نہ تھی۔ اس نے گھبراہٹ میں ادھر ادھر دیکھا۔ وہ چھت کے
دوسرے سرے پر حفاظتی دیوار پر جھلکی نیچے جھاٹک رہی تھی۔ خطرناک حد تک آگے
جھلکی ہوئی۔ سنان کی نظروں میں پچھلی شب کے خواب کے پرتو جھلنکنے لگے۔ اسے یوں
محوس ہوا جیسے وہ ابھی سینکڑوں فٹ نیچے گر جائے گی۔ سنان تیزی سے چلتا ہوا اس
کے پاس پہنچ گیا۔

”پاسکل!“ سنان نے اس کے سرخ کوٹ کا کالر سختی سے کپڑتے ہوئے کہا ”بیچھے
ہٹ جاؤ“

پاسکل نے مژکر دیکھا“ سنان میں تو۔“

”تم یہاں سے نیچے گر جاؤ گی۔“ تم مر جاؤ گی پاسکل“ اس نے بھراہی ہوئی آواز
میں کہا اور کالر کو زور سے پیچھے کھینچا۔

”تجھیں کیا ہو گیا ہے سنان“ اس نے اپنا کالر اس کی مضبوط گرفت سے چھڑا لئے
کی تاکام کوشش کی ”میرا دم گھٹ رہا ہے سنان۔ پلیز میرا کالر چھوڑ دو“ سنان نے اپنی
گرفت ڈھیل کر دی ”بس تم مت جھاٹکو۔ مجھے ڈر لگتا ہے“ پاسکل جلدی سے پیچھے
ہٹ گئی۔ اس کے چہرے پر خوف اور حریت کے ملے جملے آثار تھے۔

”اوی نیچے چلیں“ سنان نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر سارا دینے کی کوشش کی۔
”میں خود چل سکتی ہوں“ پاسکل نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ وہ بے حد و کمی نظر آ
رہی تھی۔

سنان کو اپنے رویے پر افسوس ہونے لگا۔ اسے پاسکل کو اتنی سختی سے نہیں توکنا
ہٹاہیے تھا۔

”تم تو خواہ خواہ ناراض ہو گئی ہو۔“ اس نے مسکانے کی کوشش کی ”مجھے بلندیوں سے ہیشہ خوف آتا ہے۔ مجھے انوس ہے!“ پاسکل نے خاموشی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ دونوں لفٹ میں سوار ہو کر نیچے آگئے۔

شانزے لیزے کا چوڑا فٹ پاٹھ جہاں ہیرس کی زندگی کا دل دھڑکتا ہے بارش ختم ہونے کے بعد ایک مرتبہ پھر ہیشہ کی طرح پر ہجوم تھا۔ شان پاسکل کو سارا دیے ہوئے تھا اور وہ دونوں شاہ بلوط کے درختوں کی قطار تسلی آہستہ آہستہ کنکورڈ کے چوک کی طرف جا رہے تھے۔ ہوا کا ہلاکا سا جھوٹا بھی ان پر چبوں پر چکتے ہوئے پانی کے قطروں کی پھواڑ بر ساری تبا۔ چوک کے دوسری طرف لور کا عجائب گھر تھا۔

جب وہ اس قوہ خانے کے قریب پہنچے جہاں چند روز قبل ان کی اتفاقیہ ملاقات ہوئی تھی تو پاسکل لختہ بھر کے لیے رکی۔ اس نے اس میز کی جانب دیکھا جمال وہ اس روز بیٹھے تھے اور پھر مسکرا کر آگئے چل دی۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد پاسکل پھر رک گئی۔

”شان پیا کا دفتر!“

”کون پیا؟“

”پی آئی اے۔ تم ساری میں الاقوای ہوائی کپنی۔ ہم پی۔ آئی۔ اے کو ملا کر پیا کرتے ہیں۔“ تمہیں معلوم ہے کہ اطالوی زبان میں پیا ایک خوبصورت لڑکی کو کہتے ہیں۔“

”ہمارے ہاں پیا محبوب کو کہتے ہیں چاہے وہ خوبصورت نہ بھی ہو۔“

”چھ؟“ پاسکل نے حیرت سے کہا۔

شان نے سر ہلاایا۔

”قرب سے جا کر دیکھتے ہیں“ نان نے جھٹ سے موضوع بدل دیا اور وہ دونوں پیٹے کی بڑی کھڑکیوں میں سے دفتر کے اندر جا گئے۔
نان کو پی آئی اے کے دفتر کی جدید آرائش دیکھ کر بے حد دکھ ہوا۔ اس قسم کی آرائش سے کسی پسمندہ ملک کے باشندوں کو تو مروعہ کیا جا سکتا ہے مگر پیرس جیسے فریں جہاں جدید سے جدید تر کے باذوق مظاہر ہر سو دیکھنے میں آتے ہیں یہ دفتر بالکل پاٹ لگ رہا تھا۔ دیوار پر آوریاں صادقین کی ایک تصویر کے علاوہ وہاں پاکستان کی تہذیب و ثقافت کی کوئی جھلک نہ تھی۔ نان نے سوچا کہ اگر سادہ دیواروں پر ملتان کی نیلی اینیوں کا کام ہوتا۔ منگے صوفوں کی بجائے ڈیرہ غازی خاں کے رانگے پیرے سے بجھتے۔ کاؤنٹر پر سواتی لکڑی کا کام ہوتا۔ فرش پر پٹ سن کا قاتلین بچھا دیا جائے اور شوکیس میں فن گندھارا کا کوئی خوبصورت مجسمہ رکھ دیا جاتا تو یہ دفتر یقیناً بالکل اور لاہور اب ہو جاتا۔

”شاہیمار باغ“ نان نے دفتر کے اندر آوریاں ایک اشتہار کی طرف اشارہ کر کے پاسکل کو جایا۔

”اس پر تو تاج محل کا دھوکہ ہوتا ہے۔“ پاسکل کہنے لگی ”شرق میں باغ کا تخیل بھی ہمارے ہاں سے کس قدر مختلف ہے! یورپ کے باغوں میں سنگ مرمر کی سفید بارہ دریاں تعمیر کرنے کا خیال آج تک کسی کو نہیں آیا۔ لاہور کے شاہیمار کے مقابلے میں پیرس کا تولیزز باغ کتنا بے جان لگتا ہے۔“

”یہ تو ایک مشرقی لڑکی کے احساسات ہیں۔“

”تم ہی نے تو کہا تھا کہ پاکستانی جھمکے پن کر مجھے ایک مشرقی لڑکی کی مانند سوچنا چاہیے۔“

”تمہاری یہ سوچ صرف باغوں کے بارے میں ہی محدود نہیں ہوئی چاہیے۔“

نان نے ہنس کر کہا۔ پاسکل خاموش رہی اور وہ دونوں پھر آگے چل دیے۔

وہ جب بھی کسی تھوڑے خانے کے قریب سے گزرتے تو فٹ پاٹھ پر بچھی کرسیوں پر

بیٹھے لوگ ان کی طرف دیکھتے۔ کچھ پاسکل کے چاندی کے بھمکوں کی وجہ سے اور اکہوں کی ناہموار چال کی وجہ سے۔

کنکور و چوک کے درجنوں فواروں کی پھوار سے بچتے وہ تو لیئرز کے باغ میں داخل ہو گئے جنہیں تھوڑی دیر پہلے پاسکل بے جان قرار دے چکی تھی مگر درختوں اور پھولوں کی بادوں سجاوٹ کی بنا پر یہ باغ بھی بے حد دیدہ زیب نظر آ رہا تھا۔ باغ کے پہلو میں لودر عجائب گھر کی پریکوہ عمارت کھڑی تھی جو اپنے وسیع ہالوں میں دنیا کے نادر ترین مجسموں، شاہکار تصاویر اور لاتعداد فن پاروں کو سمیٹنے ہوئے ہے۔ یہ عمارت اتنی وسیع ہے کہ اس کے تمام حصوں کو سرسری نظر دیکھنے کے لیے کم از کم پورا ایک دن درکار ہے۔

لودر میں رکھے گئے اکثر مجسموں اور ہزاروں تصاویر کے لیے اہل فرانس کو نپولین کا شکرگزار ہونا چاہیے جس نے اپنی فتوحات کے دوران میں مفتوح ممالک میں جھائزو پھیر کر تمام نوادرات جمع کیے اور پیرس پارسل کر دیے۔ اپنے عجائب گھروں کو پر کرنے کا یہ نادر نسخہ آج کل امریکی آزمرا رہے ہیں۔ طریقہ کار یا واردات قدرے مختلف ہے۔ پچھلے زمانوں میں لوگ بودی شرافت سے نوادرات لوٹ کر اپنے ملکوں میں لے آتے تھے اور اب پہلے دوسرے ملکوں کی دولت لوٹی جاتی ہے اور پھر بعد میں اسی دولت سے نوادرات خرید لیے جاتے ہیں۔ حال ہی میں ایک امریکی عجائب گھر نے ہسپانوی مصور دلا سکنر کی ایک عامیانہ تصویر کے لیے پانچ کروڑ روپے کی خطیر رقم ادا کی ہے۔

نان نے آگے بڑھ کر نکٹ کی کھڑکی سے دو نکٹ خریدے اور وہ عجائب گھر کے صدر دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔

لودر کی زیارت کرنے والے اکثر غیر ملکی سیاح یہاں صرف اطالوی مصور لیونارڈو ڈی ونچی کی مشہور تصویر ”مونا لیزا“ کا دیدار کرنے آتے ہیں۔ چنانچہ آج بھی اس تصویر کو دیکھنے کے لیے بے پناہ لوگ جمع تھے۔ پاسکل اور نان صرف اس تصویر کے

مردوں والوں میں ہی پچھے سکے کیونکہ تصویر کے سامنے سایاں کی ٹولیاں بھد احترام اپنے
اپنے گائزوں کے تیزی سے ملتے ہوئے لبوں پر نظریں جمائے تصویر کی کامل تاریخ اور
نئی خوبیوں کی تفصیل سننے میں ہمہ تن گوش تھے۔ گائیڈ کی تیز طرار زبان لمحہ بھر کے
لیے رکتی تو سایاں تصویر کو بھی ایک نظر دیکھ لیتے۔

جیسے آج تک فن کے ہزاروں قدردان اور نقاو "مونا لیزا" کی مشہور زمانہ
مکراہٹ کا راز نہیں پاسکے اسی طرح سنان پر بھی اس عام سی گتوار عورت کی تصویر
کی شہرت اور عظمت کا راز نہ کھل سکا تھا۔ کیا یہ ضروری ہے کہ جو عورت بھی لبوں
کو قدرے سکریں دے اس کی مکراہٹ کے پیچھے سربست رازوں کے انبار لگے ہوں۔
اس بارے میں سنان نے پاسکل کی رائے دریافت کی۔ اس نے اپنی نیلی آنکھیں سنان
کے چہرے پر جاؤں اور مکراہٹی — مونا لیزا کی مکراہٹ ماند پڑ گئی۔
جب ہجوم قدرے کم ہوا تو انسوں نے بھی تصویر پر ایک اچھتی ہوئی نگاہ ڈالی اور
آگے بڑھ گئے۔

عجائب گھر کے طویل و عریض ہال کے پلو میں ایک چھوٹا سا دروازہ کھلتا ہے جس کے باہر ایک سفید چختی پر ”وینس ڈی میلو“ کے الفاظ کنہ ہیں۔ وینس کے اس مجتنے کی شرت مونالیزا کی تصویر سے کسی طور کم نہیں۔

ساحل یونان کے قریب آئینین سمندر میں سینکڑوں خوبصورت اور چکیلے جزیرے سمجھے پڑے ہیں۔ ان میں سے سب سے خوبصورت جزیرے کا نام ”میلو“ ہے۔ اس جزیرے پر زمانہ قدم میں ایک ماہر مگر غریب سگتراش رہا کرتا تھا۔ نوجوان سگتراش کی مردانہ وجہت کے قصے جزیرے میں رہنے والی تمام لڑکوں کی زبان پر تھے مگر وہ ان کے التفات سے بے خبر ہیش پتھروں کے ڈھیروں میں کھویا رہتا۔ اس کا ہاتھ کبھی نہ رکتا۔ تیشے کا ہردار پیار اور فنی مہارت کے ملاپ سے جنم لیتا۔

ایک شب حسن کی دیوی وینس اپنے آسمانی معبد سے اتر کر اس غریب فنکار کے جھونپڑے میں جلوہ افروز ہوئی۔

صدیوں سے سگتراش میرے ملکوتی حسن کو پتھر میں ڈھالنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ وینس مہوت کھڑے سگتراش سے گویا تھی۔ ”وہ سب ناکام رہے۔ اس نے نہیں کہ وہ فنی مہارت سے عاری تھے بلکہ اس لئے کہ انہوں نے مجھے ہیشہ احرازم کی نظریوں سے دیکھا۔ صرف ایک دیوی کے روپ میں۔ اس طرح ان کے پائے ہوئے مجتنے پاکیزگی اور روحانیت کا مظہر تو بن گئے لیکن ان میں میرے نوازلی حسن کا کوئی پلو نمایاں نہ ہوا۔ میں حسن کی دیوی ہونے کے علاوہ ایک عورت بھی ہوں۔“ میرا مجسمہ تراشئے کے لیے پاکیزگی کے پلو بے پلو خواہش اور پیار کے انسانی جذبات

کی بھی ضرورت ہے۔ پورے یونان میں میری نگاہ انتخاب تم پر پڑی ہے تم ایک ایسا جسمہ تراشو گے جس میں میں دیوی ہونے کے علاوہ ایک خوبصورت اور بھرپور انسانی خدوخال کی عورت کی حیثیت سے بھی ابھروں۔ مجھے جی بھر کے دیکھ لو۔“

حسن کی دیوی وینس نے وہ شب غریب سگنڑاش کے جھونپڑے میں گزاری اور اور روشنی کی پہلی کلن پھوٹنے ہی اپنے آسانی مسکن کو پرواہ کر گئی۔ اس کے جاتے ہی سگنڑاش نے تیش سنجالا اور اپنی دیوی۔ اپنی محبوبہ وینس کا جسمہ تراشنے کی خاطر سمجھ مرمر کے ایک تودے میں کھو گیا۔ ماہ و سال گزرتے گئے۔ تیش کی ہر کاٹ ایک نئے نقش کو جنم دیتی گئی۔ بالآخر جسمہ مکمل ہو گیا۔ حسن کی دیوی وینس شل کے بعد سمندر سے نکلتی ہوئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں سیب تھا اور دوسرے سے وہ اپنا لبادہ تھامے ہوئے تھی جو اس کے متناسب خدوخال سے ڈھلک کر کولوں پر انکا ہوا تھا۔ ایک پاکیزہ دیوی کا چڑھا اور انسانی جذبات کو ابھارنے والا ایک دل کش اور خوبصورت جسم، میلو کے باشندوں نے جب یہ جسمہ دیکھا تو بے اختیار پکارا۔

”ہم آج سے صرف وینس کی پرستش کریں گے۔ وہ میلو کی واحد دیوی ہو گی۔“

چنانچہ ایک عظیم الشان معبد تعمیر ہوا اور وینس کا جسمہ ایک بلند ستون پر آؤزیں کر کے اس کی پرستش شروع کر دی گئی۔

آہستہ آہستہ مجھتے کے بے پناہ حسن کا شہر نیلے پانیوں کے اس پار طاتور شاہ یونان تک بھی جا پہنچا۔ اکثر جابر حکمرانوں کی طرح یونان کا بادشاہ بھی یہ برداشت نہ کر سکا کہ اتنا نادر جسمہ چند کوس دور ایک چھوٹے سے جزیروں کے باسیوں کی ملکیت میں رہے۔ چنانچہ اس نے اہل میلو کو پیغام بھجوایا کہ جسمہ فوراً اس کے پاس بھیج دیا جائے۔ میلو کے باشندے بھلا اپنی محبوب دیوی کی جدائی کیونکر برداشت کر سکتے تھے۔ انہوں نے انکار کر دیا۔

ایک کر آلو صبح کو معبد کے اوپرے میثار پر تعین پھرہ دار کی نظریں نیلے سمندر پر تھرتے ہوئے شاہ یونان کے جنگی جہازوں پر پڑی۔ ان کا رخ میلو کی جانب تھا۔ پھرہ دار

نے فوراً معبد کے پروہتوں کو خبر کر دی۔ میلو ایک چھوٹا سا جزیرہ ہونے کی حیثیت سے طاقتو ر شاہ یونان کے محلے کی تاب نہ لاسکتا تھا۔ مداخلت بے سود تھی۔ اور مال میلو اور پروہت ہر قیمت پر اپنی دیوی کو یونانیوں سے بچانا چاہتے تھے انہوں نے ایک انتہائی کٹھن فیصلہ کیا مجتھے کو اس حد تک بد صورت بنا دیا جائے کہ یونانی اسے ناکارہ سمجھ کر واپس لوٹ جائیں۔ یہ کام اس غریب سکنٹراش کے سپرد کیا گیا۔ اس نے اپنا تیشہ تیز کیا اور دل پر پھر رکھ کر وینس کے خوبصورت بازوں کندھوں تک کاٹ دیے۔ ان کئے ہوئے بازوؤں کو بعد انتہام میلو کے ساحل کے ساتھ گھرے نیلے پانیوں میں غرق کر دیا گیا۔ مگر یہ ترکیب بھی کام نہ آئی۔ کئے ہوئے بازوؤں کی وینس کی جسمانی خوبصورتی اب بھی سحر انگیز تھی اور یونانی اسے اسی شکستہ حالت میں اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے۔

آج سے چند برس پیشتر ایک یونانی نژاد امریکی نے غوطہ زنوں کی مدد سے میلو کے گرد کا تمام ساحل اس امید میں چھان مارا کہ شاید وینس کے کئے ہوئے بازوں مل جائیں اور انہیں ناکمل مجتھے کے ساتھ جوڑ کر ایک مرتبہ پھر اس دیوی کو ہزاروں برس پلے کا ملکوتی حسن عطا کر دیا جائے۔ اسے ناکامی ہوئی۔

آج پاسکل اور سنان اس دروازے کے سامنے کھڑے تھے جس کے اندر میلو کی دیوی وینس کا مجسمہ دھرا تھا۔

وہ کھڑے کے اندر داخل ہوئے تو انہیں یوں محسوس ہوا جیسے وہ ہزاروں سال قبل کے اس عالی شان معبد میں پہنچ گئے ہیں جماں قربان گاہ کے ستون پر وینس کا مجسمہ نصب تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ آج وینس کے خوبصورت بازو میلو جزیرے کے گرد پھیلے ہوئے پانیوں کی نہ میں کالی آلوو ہو چکے ہیں۔

سنان نے دیکھا کہ مجتھے کے سینگ مر مر کا دودھیا رنگ اب دھنلا چکا ہے۔ خوبصورت جسم کے اکثر حصوں سے کچھیں اتر چکی ہیں اور وہاں گڑھے بن گئے ہیں۔ اس شکستہ حالت میں بھی وینس ایک ذی روح دیوی کی مانند محور کن حد تک خوبصورت تھی۔ یوں گلتا تھا جیسے وہ ابھی اپنا ڈھلانکا ہوا البارہ سنبھالتی ستون سے بیچا از

ئے گی اور بڑی حیرت سے پوچھئے گی ”میں میلو کے چکتے جزیرے سے نکل کر اس سرو
پس میں کیسے آگئی؟ میرے بازو کماں ہیں؟ میں اپاچ کیسے ہو گئی؟“

”مجھے تو اس مجتنے میں کوئی خاص بات نظر نہیں آئی“ پاسکل نے مجتنے کے گرد
غموم کرا سے تشقیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے فیصلہ دے دیا ”اے دنیا کی خوبصورت
زین عورت کا خطاب دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ فرانس میں اس کے خدو خال کی
پائش کو نسوانی جسم کے ناسب کا آخری معیار قرار دے کر ایک مقابلہ حسن بھی
منعقد کیا جاتا ہے“ پھر اس نے ایک نگاہ وغیرہ کے سذوں کو لہوں اور سینے پر ڈالی اور
ہاں چڑھا کر بولی ”میرے خیال میں تو وغیرہ بے حد موٹی ہے۔“

پاسکل نے آخری فقرہ ریٹک آمیز لجھے میں اتنی مخصوصیت سے ادا کیا کہ سنان
مکرانے بغیر نہ رہ سکا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا ”در اصل تم وغیرہ
کے خوبصورت جسم سے جلتی ہو۔“

پاسکل تیزی سے پیچھے ہو گی۔ اس کی نیلی آنکھیں جل رہی تھیں۔ وہ تھوڑی دیر
خاموش رہی اور پھر رندھی ہو گی آواز میں کہنے لگی ”میں کیسے جل سکتی ہوں؟“
سنان بدستور مسکراتا رہا۔

”وہ بھی تو میری طرح اپاچ ہے“ پاسکل نے ایک دم چیخ کر کہا۔

سنان سکتے میں آگیا۔ اسے گمان بھی نہ تھا کہ پاسکل اس خوبصورت مجتنے میں بھی
اپنی دل آزادی کا جواز تلاش کر لے گی۔

”ہاں وہ بھی تمہاری طرح اپاچ ہے۔۔۔ لیکن اس نے اپنے اپاچ پن کو خود ازیتی
کا ذریعہ نہیں بنایا“ سنان کو ایک دم غصہ آگیا۔ اتنے روز سے وہ اپنی جسمانی خانی کو
نظر انداز کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی اور آج جب کہ اس نے پیرس سے چلے جانا
تماہ وہ ایک مرتبہ پھر درو کی انہی را ہوں پر چل نکلی تھی۔

پاسکل سر جھکائے چکلیے فرش کو گھورتی رہی۔ اور پھر اس کے گالوں پر
آنسوؤں کی ایک لڑی بہہ نکلی۔